Poem " *Inqilab Ae Inqilab* ": An Explanatory Study of Intellectual, Revolutionary and Spiritual Aspects

نظم ”انقلاب! اے انقلاب!“: فکری، انقلابی و معنوی جہات کا توضیحی مطالعہ

Dr. Talib Hussain Hashmi*[1]
Assistant Professor(Adjunct), Department Of Urdu, MY University, Islamabad
Asia Parveen*[2]
Lecturer, Govt.Associate College for Women Pind Dadan Khan.District Jhelum

ڈاکٹر طالب حسین ہاشمی☆[1]
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، (ایڈجنک)، شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد
آسیہ پروین☆[2]
لیکچرر اُردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین پنڈ دادن خان، ضلع جہلم

Correspondance: drtalibhashmi@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 18-04-2025
Accepted:25-06-2025
Online:30-06-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: The poem *"Inqilab Ae Inqilab"* is a powerful depiction of intellectual, revolutionary, and spiritual dimensions in Urdu poetry. This explanatory study explores how the poet redefines revolution not merely as a political or social upheaval but as a deep inner awakening essential for human dignity and societal progress. The poem's verses inspire courage, justice, and truth, urging individuals to rise against oppression with spiritual strength and moral clarity. The poet envisions a society based on ethical values where inner purification leads to outer change, creating harmony between self-reform and collective transformation. Through vivid imagery and impactful metaphors, the poet evokes the necessity of fearlessness, sacrifice, and wisdom to bring about holistic change. This research highlights the philosophical message that true revolution begins within, reshaping thoughts and character before

reconstructing systems and structures. Thus, *"Inqilab Ae Inqilab"* emerges as a timeless call for intellectual, spiritual, and social revival, inspiring readers to become agents of meaningful change in an era marred by moral decay and injustice.

KEYWORDS: Inqilab Ae Inqilab, Urdu poetry, Revolution, Spiritual Awakening, Intellectual analysis, Moral Transformation

علامہ اقبال کا بیشتر کلام عزم و حوصلہ، جرأت و استقلال کے ایسے تابندہ پیغام سے معمور ہے جو قوموں کی تقدیر بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ پیغام اُن کے دل و دماغ میں اس وقت اور بھی زیادہ راسخ ہوا جب وہ یورپ کی سرزمین پر مادی ترقی کی چکاچوند دیکھنے کے باوجود روحانی افلاس کے منظرنامے سے دوچار ہوئے۔ اقبال نے وہاں کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا اور پھر اپنے تخیلات اور ولولہ انگیز شاعری کے ذریعے اُمت مسلمہ کے دلوں کو حیاتِ نو کا پیغام دیا، تاکہ وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر عزت، غیرت، خودداری اور قوتِ ایمانی کے ساتھ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکے۔

بقول اقبال

میں ظُلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نَفَس مرا شعلہ بار ہوگا[1]

علامہ اقبال برصغیر پاک وہند کی وہ غیر معمولی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی شاعری، فلسفے اور فکر سے ایک پوری ملت کی تقدیر بدلنے کی بنیاد رکھی۔ ان کی عظمت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ وہ محض ایک شاعر یا فلسفی نہیں تھے بل کہ ایک ایسے مصلح، رہنما اور درویشِ باعمل تھے جنہوں نے اپنے کلام اور خطبات کے ذریعے فرد اور معاشرے دونوں کو نئ زندگی عطا کی۔

اقبال کی شاعری خواہ اُردو میں ہو یا فارسی میں، ہر جگہ ان کے کلام میں روحانی بالیدگی، خودی کی تربیت، انسانی عظمت اور ملی بیداری کا پیغام نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی تحریریں صرف تخیلاتی یا فلسفیانہ موضوعات تک محدود نہیں بل کہ ان میں ایک جامع حکمت عملی موجود ہے جو انسان کو اس کی اصل حقیقت سے روشناس کراتی ہے اور معاشرے کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لانے کا راستہ بتاتی ہے۔

ان کے خطبات، مقالات اور مکاتیب زیادہ تر اُردو اور انگریزی میں ہیں، جن میں انہوں نے اسلامی فکر، جدید فلسفے، معاشرتی تبدیلی، روحانی ارتقاء اور تہذیبی احیاء پر گہرائی سے بحث کی ہے۔ اسی ہمہ گیر فکر کی بدولت ہی انہیں مفکر

اسلام کہا گیا؛ اپنے عمیق اور حکیمانہ نظریات کی وجہ سے حکیم الامت؛ ملت اسلامیہ کو بیداری اور خودی کا پیغام دینے پر شاعر مشرق؛ اور اسرار خودی و رموز زندگی کو فاش کرنے پر دانائے راز اور ترجمان خودی جیسے بلند القابات سے یاد کیا گیا۔

درحقیقت، اقبال کی شخصیت اور فکر اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جب شاعر کا دل ایمان سے لبریز اور نظر روحانیت و حکمت سے روشن ہو تو اس کی تخلیقات محض ادب کا حصہ نہیں رہتیں بل کہ ایک عظیم انقلابی پیغام بن کر تاریخ کی سمت بدلنے کی قوت رکھتی ہیں۔

علامہ اقبال ایک ایسے صالح اور ہمہ گیر انقلاب کے خواہاں تھے جو ملت اسلامیہ کے جمود کو توڑ کر اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑا دے اور اسے ذہنی و فکری غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے اس کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ زندہ کر دے۔ اپنی شہرۂ آفاق نظم "مسجد قرطبہ" میں اقبال ہمیں زندگی کا یہ اٹل اصول بتاتے ہیں کہ وہ زندگی جس میں انقلابی جوش اور تغیر کی تڑپ نہ ہو، دراصل زندگی نہیں بل کہ موت ہے۔ اقوام کی روحیں صرف اس وقت زندہ رہتی ہیں جب وہ انقلابی جدوجہد اور مسلسل کشمکش کو اپنی فطرت کا حصہ بنا لیتی ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
رُوحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب[۲]

علامہ اقبال کے عہد اور ان کے شعری محرکات پر گفتگو کرتے ہوئے **پروفیسر فتح ملک** لکھتے ہیں:

> "اقبال کا دور وہ زمانہ تھا جب سرمایہ دارانہ لوٹ مار اور سامراجی استحصال اپنی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔ مشرق کی دنیا مغربی استعمار کے پنجوں میں جکڑی، غفلت کی گہری نیند سو رہی تھی۔ ایسے میں اقبال ایک ایسے مفکر بن کر ابھرے جو مشرق کو خواب غفلت سے بیدار دیکھنا چاہتے تھے اور اسے انقلاب کی راہوں پر گامزن کرنے کے خواہاں تھے۔ ان کی شاعری محض کہنہ جہان کی موت کی نوید نہیں سناتی بل کہ ایک نئے جہاں کی امید اور امکانات کو بھی روشن کرتی ہے، جہاں انسانیت اپنے حقیقی مقام کو پا سکے اور ظلمتوں کے پردے چاک ہو کر نورِ حق کی تابانی ہر سو پھیل جائے۔"[۳]

اگرچہ علامہ اقبال کی شاعری کا بیشتر حصہ انقلابی افکار سے مزین ہے، تاہم ان کی فارسی شاعری میں خصوصاً "زبور عجم" کی نظم "انقلاب! اے انقلاب!" کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ ایک خطابیہ نظم ہے جس میں اقبال نے امراء، شیوخ، سلاطین، اہل علم و فن اور تعمیر و ترقی کے دعوے داروں کی کوتاہ اندیشی، تنگ نظری اور جمود پر نہایت شدت سے تنقید کی ہے۔[۴]

اس نظم میں اقبال کا لہجہ ایک مجاہدانہ صدا کی صورت میں ابھرتا ہے جو پرانے اور مفلوج نظام کو للکارتا ہے اور انسانیت کو انقلاب کی راہ دکھاتا ہے، تاکہ وہ شکستہ حال خوابوں کو توڑ کر نئی دنیا کی تعمیر کر سکے۔

عبدالشکور احسن اس نظم کے موضوعات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "نظم "انقلاب! اے انقلاب" دراصل بادشاہوں، سرمایہ داروں، شہر کے مذہبی پیشواؤں، اہل علم و فن کے فتنہ ساماں رویوں اور عصر حاضر کے زہر آلود رجحانات کے خلاف اقبال کا بھرپور اور بے باک احتجاج ہے۔ اس نظم میں وہ پرانے نظام کے محافظوں کو للکارتے ہیں اور ان کے استحصالی کردار کو بے نقاب کر کے ایک ایسے انقلاب کی صدا بلند کرتے ہیں جو ظلم، جمود اور تنگ نظری کی ساری بنیادیں ہلا کر رکھ دے۔"(۵)

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں کسانوں اور مزدوروں کے معاشی استحصال کے خلاف ہر موقع پر صدائے احتجاج بلند کی۔ نظم "انقلاب! اے انقلاب" کے آغاز ہی میں وہ اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں کہ سرمایہ دار مزدور کی سخت محنت اور خون پسینے کو نچوڑ کر اپنے لیے خالص ہیرے تراش رہا ہے، جبکہ گاؤں کے خدا یعنی جاگیردار کسانوں کی محنت کو روندتے ہوئے ان کے کھیت اجاڑ رہے ہیں۔ کسان اور مزدور کی زندگی کو انھوں نے اذیت خانہ بنا دیا ہے، جب کہ خود عیش و عشرت اور آرام و تنعم کی زندگی گزارنے میں مصروف ہیں۔ اقبال کا یہ کلام نہ صرف ایک انقلابی پکار ہے بل کہ استحصالی نظام کے خلاف ایک بے باک اعلان جنگ بھی ہے۔

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقانان خراب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!(۶)

علامہ اقبال نے کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کی حمایت میں محض ایک موقع پر نہیں، بل کہ اپنی شاعری اور نثر میں بارہا ان مظلوم طبقات کی فریاد کو اپنی آواز بخشی ہے۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ جاگیردارانہ استحصال، سرمایہ دارانہ ظلم، اور طبقاتی تفریق پر شدید تنقید ملتی ہے۔ اقبال کے نزدیک ایک ایسا نظام جو محنت کشوں کی خون پسینے کی کمائی کو امراء کی عیش و عشرت کی نذر کر دے، نہ صرف غیر انسانی ہے بل کہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی بھی ہے۔ ان کی نظم "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام "ہویا "مزدور اور سرمایہ دار"، ہر جگہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی نثر، خطبات اور خطوط میں بھی جابجا اس بات کی تلقین ہے کہ حقیقی معاشرتی عدل اُسی وقت ممکن ہے جب کسان، مزدور، اور عام انسان کو اس کا جائز حق ملے اور معاشی استحصال کا خاتمہ ہو۔ اقبال کا کلام صرف ایک

فکری بغاوت نہیں بل کہ ایک عملی انقلابی پیغام ہے، جو انسان کو اس ظلم و غلامی سے نجات دلانے اور معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری آج بھی دنیا بھر کے محروم طبقات کے لیے اُمید کی کرن اور ظلم کے ایوانوں کے لیے تازیانہ ثابت ہو رہی ہے۔

علامہ اقبال کی مشہور فارسی تصنیف "پیامِ مشرق" میں شامل نظم "صحبتِ رفتگان در عالمِ بالا" ان کی فکر کی انقلابی جہت کی بہترین مثال ہے۔ اس نظم میں اُنھوں نے عالمِ بالا کی ارواح کے درمیان ایک مکالمہ تخلیق کیا ہے، جس کے ذریعے وہ سرمایہ داروں کی چالبازیوں، ان کے استحصالی ہتھکنڈوں اور انسانیت دشمن حرکات کو بے نقاب کرتے ہیں۔ یہاں اقبال سرمایہ دارانہ نظام کی وہ بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں جس میں محنت کش انسان کی عزت نفس کو پامال کیا جاتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ اسی کتاب میں "قسمت نامۂ سرمایہ دار" اور "نوائے مزدور" جیسی نظمیں بھی شامل ہیں جو اقبال کی شدید فکری بغاوت کی مظہر ہیں۔ "قسمت نامۂ سرمایہ دار" میں اقبال نے سرمایہ دارانہ نظام کی مصنوعی خوشیوں، ظاہری چمک دمک اور باطنی بدبو کو بے نقاب کیا ہے جب کہ "نوائے مزدور" میں مزدور کی درد بھری پکار اور اس کے دل کی صدائیں شامل ہیں جو ظلم اور محرومی کی چکی میں پس رہا ہے۔

علاوہ ازیں، "جاوید نامہ" میں بھی یہ موضوع جگہ جگہ بکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ خاص طور پر فلک عطارد کی سیر کے دوران جب اقبال مختلف ارواح سے ملاقات کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کا محور بھی کسانوں، مزدوروں اور معاشرے کے محروم طبقے کا استحصال ہی ہوتا ہے۔ اس سیر کے دوران وہ محنت کش طبقے کی زبوں حالی اور سرمایہ داروں کے ظلم کو نہایت گہرائی سے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح "زبورِ عجم" کی متعدد غزلیں بھی اقبال کی انقلابی فکر کی غماز ہیں۔ ان غزلوں میں انہوں نے موجودہ فرسودہ نظام کو للکارا اور واضح پیغام دیا کہ جب تک استحصالی قوتوں کے خلاف بغاوت نہ کی جائے، انسان اپنی اصل آزادی حاصل نہیں کر سکتا۔ درحقیقت، اقبال کی فارسی شاعری صرف تخیلاتی یا وجدانی کلام نہیں بل کہ انسانی معاشرت کی حقیقی تصویریں اور انقلابی دعوت ہے جو ہر دور کے مظلوم انسان کو استقامت، خودی، بغاوت اور آزادی کا شعور دیتی ہے۔

جس طرح اقبال کی فارسی شاعری میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف شدید احتجاج ملتا ہے، اسی طرح ان کی اردو شاعری بھی ان انقلابی افکار سے بھرپور ہے۔ ان کے نزدیک یہ نظام انسانیت کی توہین اور محنت کش طبقے کے استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

"ارمغانِ حجاز" کی مشہور نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس نظم میں اقبال نے سرمایہ دارانہ سامراج اور اس کے استحصالی نظام کو ابلیسی منصوبے کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ یہاں ابلیس اپنی شوریٰ کو تلقین کرتا ہے کہ اگر انسانیت کو غلام بنائے رکھنا ہے تو اس نظام کو مضبوط کیا جائے جو دولت کو چند ہاتھوں میں محدود رکھے اور عوام کو محروم و محتاج۔ علاوہ ازیں، "بالِ جبریل" میں تین نظمیں پے در پے اسی موضوع کو واضح کرتی ہیں۔

1. "لینن، خدا کے حضور میں" اس نظم میں اقبال نے انقلابی رہنما لینن کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا ہے، جہاں وہ دنیا کے موجودہ ظالمانہ نظام، طبقاتی تقسیم اور مزدوروں کی محرومی کی شکایت کرتا ہے۔
2. "فرشتوں کا گیت" اس نظم میں فرشتے اس عظیم انقلاب کی نوید سناتے ہیں جو ظلم و استحصال کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے گا اور دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرے گا۔
3. "الارض للہ" اس نظم میں اقبال زمین کو خدا کی ملکیت قرار دے کر یہ انقلابی تصور پیش کرتے ہیں کہ انسان محض مالکیت کا دعویدار ہے، اصل ملکیت اللہ کی ہے اور استحصالی قوتوں کا یہ حق نہیں کہ وہ زمین اور وسائل کو اپنی جاگیر بنا کر دوسروں کو غلام بنائیں۔

اقبال کا یہ فکری تسلسل واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام محض اقتصادی ڈھانچہ نہیں بل کہ انسانیت دشمن قوتیں ہیں، جن کا خاتمہ ہی انسان کی حقیقی آزادی اور عظمت کی بحالی کا واحد راستہ ہے۔ ان کا کلام آج بھی ہر اس فرد اور قوم کو للکارتا ہے جو ظلم کو تقدیر سمجھ کر قبول کر چکے ہیں، اور انہیں بتاتا ہے کہ انقلاب ہی زندگی کی اصل روح ہے۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مُساوات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظرِ روزِ مکافات![۷]

نظم "فرمانِ خدا" میں علامہ اقبال یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ جب "لینن کی دعا" اور "فرشتوں کا گیت" اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں تو خداوند تعالیٰ اپنے جلال اور قہاری کا اظہار فرماتے ہیں۔ اس نظم میں اقبال نے دکھایا ہے کہ کس طرح مظلوموں کی آہیں اور فرشتوں کی انقلابی صدائیں خدا کے غضب کو جوش دلاتی ہیں، جو ظالم نظام کو نیست و نابود کرنے کا عندیہ بن جاتی ہیں۔

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو[۸]

"علامہ اقبال 1926ء سے 1930ء تک پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے منتخب رکن رہے۔ اس عرصے کے دوران انہوں نے ہر بجٹ تقریر میں زراعتی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے کے حق میں نہایت مضبوط اور مدلل دلائل پیش کیے۔ اقبال کا موقف یہ تھا کہ جاگیردار طبقہ جو بے پناہ دولت کا مالک ہے، اس پر ٹیکس لاگو ہونا چاہیے تاکہ معاشی انصاف قائم ہو سکے۔ لیکن ان کی یہ صدا نہ تو برطانوی ہند میں سنی گئی اور نہ ہی قیام پاکستان کے بعد اس مطالبے کو کبھی اہمیت دی گئی۔ ان کے انقلابی اور عادلانہ معاشی تصورات آج بھی ہماری سماجی اور معاشی پالیسیوں میں رہنمائی کے منتظر ہیں"۔ (۹)

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان، جو علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر اور ایک مصورہ اسلامی ریاست کے طور پر وجود میں آیا، یہاں سب سے پہلے کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جاتا۔ اقبال کے تصورِ ریاست میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جہاں محنت کش کو معاشی آسودگی، سماجی تحفظ، اور عزت نفس حاصل ہو۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے فوری بعد ہی سیاسی، معاشی، اور سماجی نظام پر انہی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے اپنی اجارہ داری قائم کر لی جن کے خلاف اقبال نے اپنی پوری زندگی آواز بلند کی تھی۔

آج بھی ملک کی معیشت، پالیسی سازی، اور وسائل کی تقسیم پر انہی طاقتور طبقوں کا قبضہ ہے۔ کسان اور مزدور اپنی محنت کے باوجود بنیادی سہولیات، صحت، تعلیم، اور معاشی تحفظ سے محروم ہیں۔ جب تک اس استحصالی ڈھانچے کو ختم کر کے ایسی پالیسیاں مرتب نہیں کی جاتیں جو کسان اور مزدور کی معاشی حالت کو مستحکم بنائیں، اس وقت تک ملک میں حقیقی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

ہمارا وطن بنیادی طور پر زرعی معیشت پر قائم ہے اور اس کی خوشحالی کا انحصار بھی کسان کی خوشحالی پر ہے۔ اگر کسان کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ، زمین پر مکمل حق، جدید زرعی سہولیات، اور معاشرتی عزت حاصل ہو تو یہ ملک نہ صرف خوراک میں خود کفیل ہو سکتا ہے بلکہ برآمدات میں اضافہ کر کے معاشی استحکام بھی حاصل کر سکتا ہے۔ یہی علامہ اقبال کا خواب تھا۔ ایک ایسا پاکستان جہاں محنت کش کو اس کی محنت کا پورا پھل ملے اور انسانیت کو معاشی و سماجی انصاف میسر آئے۔

ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف لکھتی ہیں:

پاکستان کی معیشت میں زراعت کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، مگر بد قسمتی سے کسان کی حالت زار پر نہ تو انتظامیہ کی گہری نظر ہے اور نہ ہی صنعت کار اور تاجر اسے اپنا ذمہ دارانہ فرض سمجھتے ہیں۔ انتظامیہ کی عدم

توجہی نے زراعت کو کبھی بھی ایک پر امید شعبہ نہیں بننے دیا۔ صنعت کار اور تاجر طبقہ بجائے اس کے کہ کسان کی مشکلات کا مداوا کریں، اُلٹا انہیں بلیک میل کرتے ہیں۔ کسان جب اپنی محنت کا پھل لینے بازار پہنچتا ہے تو قیمتوں کی غیر یقینی صورتحال، منڈی کے ظالمانہ اصول، اور ذخیرہ اندوزی کی چالوں کے سبب اس کی امیدیں دم توڑ دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیمتوں میں استحکام پیدا نہیں ہوتا اور کسان کی پیداواری صلاحیت مسلسل متاثر رہتی ہے۔ جب تک کسان کو اس کی محنت کا مکمل معاوضہ اور معاشی تحفظ نہیں ملے گا، ملک کی اکثریتی آبادی جو دیہی علاقوں اور زراعت سے وابستہ ہے، قومی ترقی میں اپنا حقیقی کردار ادا نہیں کر سکے گی۔ ریاستی ادارے ظاہری سرگرمیوں اور نمائشی پالیسیوں سے تو اپنی تندہی کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن ابھی تک کوئی ایسی جامع اور منضبط پالیسی تشکیل نہیں دی جا سکی جو کسان کی خوشحالی اور صنعت کار و تاجر کے منافع میں ایسا توازن قائم کرے کہ پورا معاشی ڈھانچہ مضبوط ہو جائے۔ درحقیقت، جب تک کسان خوشحال نہیں ہو گا، پاکستان معاشی ترقی، خود کفالت اور استحکام کے خواب کو حقیقت کا روپ نہیں دے سکتا۔"(۱۰)

نظم کے اگلے حصے میں اقبال نام نہاد مسلم علما کی تنگ نظری اور مفاد پرستانہ پالیسیوں پر شدید تنقید کرتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں عموماً ایسے علما کو "ملا" اور "شیخ" جیسے خطابات سے مخاطب کرتے ہیں، جو دین کی روح کو سمجھنے کے بجائے صرف رسم و رواج کی ظاہری پٹی پڑھاتے ہیں اور امت کو جمود، خوف اور پسماندگی میں مبتلا رکھتے ہیں۔

شیخ شہر از رشتۂ تسبیح صد مؤمن بہ دام
کافران سادہ دل را برہمن زنار تاب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!(۱۱)

واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ
آن بہ پیری کودکی این پیر در عہد شباب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!(۱۲)

اقبال کو ہمیشہ اس بات کا دکھ رہا کہ ہمارے مذہبی رہنما اسلام کی اصل روح کو سمجھنے کے بجائے اسے محض عبادات تک محدود کر چکے ہیں۔ وہ جدید دور کے تقاضوں اور زمانے کی بدلتی ہوئی فکری، سائنسی اور سماجی جہات سے یکسر ناواقف نظر آتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مسلم نوجوان مغربی علوم اور تہذیب کی جانب راغب ہو رہے ہیں۔ اقبال بخوبی جانتے تھے کہ جب تک یہ طرزِ فکر برقرار رہے گا، نہ تو اسلامی فلسفے میں کوئی حقیقی اضافہ ممکن ہو گا اور نہ ہی سیاست میں کوئی مثبت اور بامعنی تجدید پیدا ہو سکے گی۔ ان کے نزدیک یہ رویہ ملت کی فکری اور عملی موت کے مترادف تھا۔

ترے دین و ادب سے آرہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری(۱۳)

تشکیلِ پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی ذمہ داری مذہبی تنظیموں نے اپنے ذمے لی۔ بلاشبہ قراردادِ مقاصد اس سمت میں ایک قابلِ قدر اور تاریخی قدم تھا، مگر افسوس کہ علمائے کرام اس ذمہ داری کو وہ حق ادا نہ کر سکے جس کی ملت اسلامیہ کو توقع تھی۔ اسلامی تنظیموں کے رہنما یہ سمجھتے رہے کہ اسلامی قانون سازی اور نظام سازی میں صرف علما ہی رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں، لیکن اقبال کے نزدیک مسئلہ یہی تھا کہ ہمارا ملا ذہنی طور پر ابھی تک ساتویں صدی عیسوی کے خیموں میں مقید ہے۔

یہ طبقہ ماضی پرستی، ابہام پرستی اور عقائد کی صحت کی ظاہری وابستگی میں ایسی پناہ لیتا ہے کہ نہ خود آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھ سکتا ہے۔ جدید دور کے سیاسی، معاشی، سائنسی اور ثقافتی تقاضے اس کی فکر کی حدود سے باہر ہیں، بل کہ المیہ تو یہ ہے کہ وہ اپنی اس جہالت سے بھی غافل ہے اور بضد ہے کہ وہی اسلامی علوم کا سب سے بڑا عالم و شارح ہے۔ اس کی تنگ نظری کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو فرقوں اور مسلکی گروہوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا ہے اور اس تقسیم پر نادم ہونے کے بجائے اسے فخر کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

آج صورت حال اس قدر افسوسناک ہو چکی ہے کہ ملک میں دہشت گردی، انتہاپسندی اور سیاسی و معاشی عدم استحکام کو فروغ دینے کے لیے بیرونی طاقتیں بھی اسی "ملا" کو اپنا آلہ کار بناتی ہیں۔ اقبال کا یہی شکوہ تھا کہ ملا فساد اور تفرقہ انگیزی کا علم بردار بن چکا ہے اور اس کی سوچ اُمت کی وحدت، ترقی اور نشاۃ ثانیہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن کر رہ گئی ہے۔

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ جہاد(۱۴)

پاکستانی قوم کے موجودہ مصائب کا سبب ہرگز یہ نہیں کہ اس نے سیکولر طرزِ حیات کو اپنانے سے انکار کیا ہے، بل کہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قوم کی مشکلات کی جڑ یہ ہے کہ اسے اسلام کی سیدھی اور روشن شاہراہ، یعنی

صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ملوکیت، ملائیت اور خانقاہیت کی پیچ در پیچ اور تاریک گلیوں میں بھٹکنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اسلام ایک زندہ، حرکی اور انقلابی دین ہے جو عدل، مساوات، علم، حریت اور فکری بالیدگی کا درس دیتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اسے حکمرانوں نے ملوکیت کا ہتھیار بنا دیا، علمانے اسے ملائیت کی تنگ نظری میں قید کر دیا، اور صوفیا کے بعض گروہوں نے اسے خانقاہیت کے جمود میں مقفل کر دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اسلام کی اصل روح اور پیغام سے محروم ہو گئے۔ وہ نظام، جو انسانیت کو عزت، وقار، علم اور ترقی عطا کرنے آیا تھا، اس کی جگہ ایک ایسا نظام رائج کر دیا گیا جس میں نہ حریت فکر باقی رہی، نہ عدل اجتماعی، نہ معاشی انصاف اور نہ ہی روحانی بلندی کا وہ معیار جو انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پاکستانی قوم فکری، معاشی اور اخلاقی زوال کا شکار ہے۔ جب تک اسلام کو اس کی اصل روح اور عالمگیر پیغام کے ساتھ اپنی اجتماعی زندگی میں نافذ نہیں کیا جاتا، تب تک نہ قوم کو حقیقی نجات نصیب ہو گی اور نہ ترقی کے در وا ہوں گے۔

علامہ اقبال کے نزدیک مسلم معاشروں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی اصل روح، اس کی انقلابی قوت، اور اس کے ہمہ گیر پیغام کو فراموش کر دیا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو محض ظاہری رسوم، عبادات، اور روایتی مذہبی ظواہر تک محدود کر دیا، جبکہ اس کا اصل مقصد انسان کی فکری آزادی، اخلاقی تطہیر، روحانی بالیدگی اور معاشرتی عدل کا قیام ہے۔ اقبال کے مطابق آج اُمت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ وہ اس کھوئی ہوئی روح کو دوبارہ تلاش کرے اور اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا محور بنائے۔

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ مفکرِ پاکستان، حکیم الامت علامہ اقبال نے نہ صرف اس روح کی بازیافت کی بلکہ اسے عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا فریضہ بھی حکمت، بصیرت اور جرات کے ساتھ انجام دیا۔ اُنھوں نے اُمت کو یاد دلایا کہ اسلام صرف چند مذہبی رسومات یا ماضی کی یادگار نہیں بل کہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو فکر، عمل، اخلاق، معیشت، سیاست اور تمدن ہر سطح پر انقلاب برپا کرتا ہے۔ یہی انقلاب انسان کو اس کی اصل حقیقت سے آشنا کر کے اسے خودی، حریت اور کردار کی بلندی عطا کرتا ہے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ ہمارا حکمران طبقہ ہمیشہ سے اسلام کی اسی حقیقی اور انقلابی روح سے خائف رہا ہے، کیوں کہ انہیں یہ خوف لاحق ہے کہ اگر اسلام اپنے اصل تصور کے ساتھ نافذ ہو گیا تو ان کے استحصالی مفادات، طبقاتی اجارہ داری اور خود غرضانہ اقتدار کی بنیادیں ہل جائیں گی۔

اقبال کا پیغام آج بھی ہمیں یہی دعوت دیتا ہے کہ ہم اس حقیقی روح کو پہچانیں، اسے اپنی زندگی کا عنوان بنائیں، اور امت مسلمہ کو جمود، غلامی اور زوال کی دلدل سے نکال کر عزت، غیرت، سربلندی اور روحانی و تہذیبی احیاء کی راہ پر گامزن کریں۔ یہی اقبال کی فکر کا حاصل اور ہمارے عہد کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔[۱۵]

علامہ اقبال نے مغربی تہذیب پر متعدد مقامات پر شدید تنقید کی ہے، جس کی بنیادی وجہ اس تہذیب کی مادہ پرستی، روحانیت سے بیگانگی اور دین گریزی ہے۔ زیر نظر نظم میں بھی اقبال نے نہایت واضح اور دو ٹوک انداز میں اعلان کیا

ہے کہ وہ دانش و حکمت، جو انسان کو اپنے خالق حقیقی سے دور کر دے اور ابلیسی تدبیروں کو تقویت بخشے، در حقیقت انسانیت کے لیے سم قاتل ہے۔

اقبال کے نزدیک ایسی عقل، جو دل کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی سے عاری ہو، محض شیطانی فریب ہے۔ یہی فکر ان کے اردو کلام میں بھی جابجا نظر آتی ہے، جہاں وہ فرماتے ہیں:

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات(۱۶)

یہ مغربی تہذیب کے مہلک اثرات ہی ہیں کہ باطل قوتیں دن بہ دن مزید قوی اور جسور ہوتی جا رہی ہیں۔ علامہ اقبال اپنی نظم میں اس حقیقت کو نہایت دردمندی سے بیان کرتے ہیں کہ اے مسلمانو! تاریخ گواہ ہے کہ ہر عہد میں باطل پرستوں نے حق کے علمبرداروں کو اذیتیں پہنچائیں۔ یہودِ نامسعود نے اپنی گمراہ عقل وزعمِ باطل کے تحت ابن مریم علیہ السلام کو مصلوب کرنے کی جسارت کی اور کفارِ مکہ نے تاجدارِ دوعالم ﷺ کو اس قدر ستایا کہ انہیں اپنی محبوب سرزمین مکہ چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اقبال اُمت مسلمہ کو متنبہ کرتے ہیں کہ جب تک تم میں انقلاب کی وہ روح اور ولولہ بیدار نہیں ہوتا جو باطل کے ایوانوں کو لرزا دے، اس وقت تک حق پرستوں پر ظلم و ستم کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ لہٰذا اے مسلمانو! اپنی صفوں میں ایسا انقلابی شعور پیدا کرو کہ دنیا کی کوئی باطل قوت کسی حق گو، حریت پسند اور خدا پرست انسان کو ایذا پہنچانے کی جسارت نہ کر سکے۔

در کلیسا ابن مریم را بدار آویختند!
مصطفیٰ از کعبہ ہجرت کردہ با اُمّ الکتاب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!(۱۷)

اس نظم میں علامہ اقبال نے حکمران طبقے کی سیاست کو نہایت گہرائی سے بے نقاب کیا ہے۔ ان کے نزدیک امراء و سلاطین کی سیاست دراصل اقتدار کی بھوک کا دوسرا نام ہے، جو کمزوروں اور محکوموں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنے کے لیے ہر قسم کے فریب، ظلم، مکر اور استحصال کے ہتھکنڈے آزمار ہی ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ ایسی سیاست انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ ہے، جو اخلاقی قدروں کو پامال کر کے محض طاقت کی پرستش کو اپنا دین بنا لیتی ہے۔ ان کا پیغام واضح ہے کہ جب تک محکوم طبقے اپنی حالتِ غلامی کا ادراک کر کے ظلم کی اس تاریک رات کو چیرنے کے لیے بغاوت کی شمع نہ جلائیں، تب تک یہ شیطانی کھیل یونہی جاری رہے گا اور انسانیت سلاطین کی ہوس کی بھٹی میں پگھلتی رہے گی۔

میر و سلطان نرد باز و کعبتین شان دغل
جاں محکوماں ز تن بردند محکوماں بخواب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب! (۱۸)

ملوکیت کے ان مکارانہ ہتھکنڈوں کو طشت از بام کرنا علامہ اقبال کا محبوب مشغلہ اور فکری مشن رہا۔ وہ ہمیشہ حکمران طبقے کی ریاکاری، استحصالی سیاست اور ظالمانہ تدابیر کو بے نقاب کر کے امت کو اس کے حقیقی دشمنوں سے آگاہ کرتے رہے، تاکہ مسلم معاشرہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی خودی کی قوت سے ان باطل ایوانوں کو زمین بوس کر سکے۔

اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر سید شیر از علی زیدی لکھتے ہیں کہ

> "اقبال نے فرنگی ملوکیت کو ناپاک، بے ضمیر، جوئے خوں، دھوئیں میں سیہ پوش، دل کی خرابی، ہوس کی امیری اور ہوس کی اسیری قرار دیا ہے۔ افرنگ کے خلاف ان کا یہ احتجاج تادم آخر جاری رہا۔ (۱۹)

اقبال کی نظر میں فرنگی ملوکیت محض ایک سیاسی یا عسکری قوت نہ تھی بل کہ ایک روحانی سرطان تھی، جو انسانیت کی رگوں سے معنویت کا خون چوس کر اسے بے مقصدیت، غلامی اور خود فراموشی کی تاریکیوں میں دھکیل دیتی تھی۔ اقبال نے اسے ناپاک کہا کیونکہ اس کا وجود ظلم و استبداد سے لتھڑا ہوا تھا؛ بے ضمیر کہا کیونکہ اس میں حق و باطل کی تمیز باقی نہ تھی؛ جوئے خوں کہا کیونکہ یہ قوموں کے لہو پر اپنی سلطنت کی بنیادیں اٹھاتی تھی؛ دھوئیں میں سیہ پوش کہا کیونکہ اس کی تہذیب کی چمک دمک درحقیقت جہالت اور غفلت کے سیاہ دھوئیں میں لپٹی ہوئی تھی؛ دل کی خرابی کہا کیونکہ اس کی تمام فتوحات کا مرکز نفسِ امارہ کی غلامی تھی؛ اور ہوس کی امیری و اسیری کہا کیوں کہ اس کا کمال صرف زر، زمین اور جسمانی تسخیر تک محدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا احتجاج محض ایک شاعر کی شکایت نہیں بل کہ ایک مجاہدِ فکر کی وہ صدا تھی جو تا دمِ آخر ظلمت پر لعنت اور نورِ حق کی تمنا بن کر گونجتی رہی۔

اقبال ملوکیت کے حربوں، اس کے مزاج اور نفسیات سے بخوبی آشنا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اقتدار پرست طبقہ کس طرح اپنی بقاء کے لیے قوموں کی روح کو زنجیروں میں جکڑ لیتا ہے۔ یکم جنوری 1938ء کو سال نو کے موقع پر ریڈیو کے ذریعے قوم سے خطاب کرتے ہوئے جو پیغام انہوں نے دیا، اگر اسے آج کے سیاسی، معاشرتی اور عالمی حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اقبال نے موجودہ پاکستان اور عصر حاضر کے عالمی منظرنامے کا نقشہ قبل از وقت ہی کھینچ دیا تھا۔

ان کے الفاظ آج بھی اتنے ہی تازہ، معنی خیز اور چشم کشا ہیں، جتنے اس وقت تھے۔ یہ ان کی فکری بصیرت اور عمیق مشاہدے کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ملوکیت، سرمایہ داریت اور سامراجی قوتوں کی فطرت اور ان کے استحصالی طریقوں کو پوری طرح بے نقاب کر دیا تھا، تاکہ اُمت مُسلمہ زمانے کے ان فریبوں سے آگاہ ہو کر اپنی راہ خود متعین کر سکے۔

> "آج کی تمام تر علمی، سائنسی اور تہذیبی ترقی کے باوجود دنیا پر ملوکیت کا وہی پرانا سفاک چہرہ مسلط ہے، جس نے کبھی جمہوریت، کبھی قومیت، کبھی اشتراکیت اور کبھی فسطائیت کا نقاب اوڑھ رکھا ہے۔ ان فریب دہ نقابوں کے پیچھے انسانیت کی آزادی، عزت اور حرمت کو اس بے دردی سے پامال کیا جا رہا ہے کہ تاریخ کے سب سے سیاہ اور خونچکاں ابواب بھی اس ظلم کی شدت اور وسعت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"(۲۰)

اگر ہم اقبال کے مذکورہ بالا پیغام کی معنویت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال کا تجزیہ کریں تو یہ تلخ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہم نے اپنی "مصورہ ریاست" کے آئین میں تو رسمی طور پر ملوکیت کے خاتمے کا دعویٰ ضرور کیا، مگر افسوس کہ یہی ملوکیت نئے نئے بھیس بدل کر آج بھی ہمارے سیاسی و ریاستی ڈھانچے پر مسلط ہے۔ ایک طرف یہ ملوکیت کبھی فوجی آمریت کی شکل میں وطن عزیز پر مختلف ادوار میں سایہ فگن رہی اور دوسری جانب نام نہاد جمہوری لبادے میں یہ طبقہ اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے عوام کو محض طفل تسلیاں دینے میں مصروف ہے۔

جمہوریت کے نام پر برسرِ اقتدار آنے والی سیاسی جماعتیں بظاہر ایک دوسرے کی شدید مخالف نظر آتی ہیں، مگر درحقیقت ان کے مفادات کی ڈور ایک ہی مرکز سے بندھی ہے۔ ہر نئی حکومت اپنے پیش رو حکمرانوں کی کرپشن کے قصے سناتی ہے، مگر لوٹی ہوئی دولت واپس لانے یا قومی خزانے میں لُٹے ہوئے سرمایے کی بازیافت کی سنجیدہ کاوش کبھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔

پاکستان کی بیشتر سیاسی جماعتیں خاندانی وراثتوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ دہائیوں سے ایک ہی خانوادے اقتدار کی مسند پر براجمان ہیں اور جمہوری عمل کو محض انتخابی ڈرامے تک محدود کر رکھا ہے۔ عوام کو انتخابی عمل کی مصنوعی آزادی دے کر دراصل اقتدار کے سنگھاسن پر انہی مخصوص خاندانوں کو موروثی سیاست کا حقدار بنا دیا گیا ہے۔ وزارتوں اور اقتداری عہدوں کی بندر بانٹ بھی اہلیت یا میرٹ کی بنیاد پر نہیں بل کہ حاشیہ برداری، خوشامد اور ذاتی وفاداری کے اصولوں پر کی جاتی ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال کی چشم بینا نے جس ملوکیت کے انہدام کا خواب دیکھا تھا، وہ ملوکیت آج جمہوریت کی ملمع کاری میں اپنی بقا کو نہ صرف برقرار رکھے ہوئے ہے بل کہ عوام کو حقیقی شعور سے دور رکھنے کے لیے مسلسل نت نئے جال بھی بُن رہی ہے۔

اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ علامہ اقبال نے اپنی بصیرت افروز شاعری اور انقلابی افکار میں جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا، اور جس اسلامی فلاحی ریاست کا نقشہ انہوں نے اپنے خطبات و کلام میں بارہا واضح کیا، آج کا پاکستان اس

خواب کی حقیقی تعبیر پیش کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ یہ بھی ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ جب اقبال کی فکر اور قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت نے آزادی کی صدا بلند کی تو برصغیر کے مسلمانوں نے لبیک کہتے ہوئے اپنے جان و مال کی لازوال قربانیاں پیش کیں، ہجرت و ایثار کی ایسی داستانیں رقم کیں جو تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

افسوس صد افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد جاگیرداروں، سرمایہ داروں، مذہبی انتہا پسندوں اور فوجی آمریتوں کے استحصالی گٹھ جوڑ نے اس وطن عزیز کو اپنی ذاتی ہوسِ اقتدار اور مفاد پرستی کا شکار بنالیا۔ اقبال کا وہ خواب، جو انسانیت کی عزت، عدل اجتماعی، روحانی آزادی اور فکری بالیدگی کا خواب تھا، اقتدار کی اس اندھی دوڑ میں کہیں کھو کر رہ گیا۔ آج عالم یہ ہے کہ سرکاری تقریبات ہوں یا نجی محفلیں، اقبال کے اشعار کو خوش الحانی سے پڑھ کر رسمی خانہ پری تو کر لی جاتی ہے، مگر ان کے فکر انگیز اور انقلابی پیغام کی روح تک پہنچنے اور اس پیغام کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کا دستور بنانے کی سچی تڑپ اور عملی کوشش ناپید ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آج ہم آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں تو یہ آزادی دراصل اقبال کی فکر اور ان کے انقلابی خواب کی مرہون منت ہے۔ علامہ اقبال کے افکار کو فروغ دینا اور انہی کی روشنی میں پاکستان کو ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست کی صورت دینا ہمارا قومی و ایمانی قرض ہے۔ لیکن یہ قرض محض تقریروں، رسمی تقاریب یا ان کے اشعار کو خوش آہنگ دھنوں میں پڑھ لینے سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس قرض کی ادائیگی کا تقاضا ہے کہ ہم عملی میدان میں اتریں، اپنی سوچ کے زاویے بدلیں، اور اقبال کے پیغام کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ضابطۂ حیات بنالیں۔ یہی وہ حقیقی خراج عقیدت ہے جو اقبال کے مقام کو شایانِ شان ہے اور یہی پاکستان کے تابناک مستقبل کی واحد ضمانت بھی ہے۔

حوالہ جات

1. علامہ اقبال۔ کلیات اقبال اردو، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۶ء، ص:۲۱۴
2. ایضاً، ص:۲۴۳
3. فتح ملک، پروفیسر، اقبال۔۔ فکر و عمل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۲۶
4. عبد الغنی، پروفیسر، تالیف، علامہ اقبالؒ کی فارسی نظم گوئی، لاہور: بزمِ اقبال، ۲ کلب روڈ، جنوری، ۲۰۰۰ء، ص:۱۵۳
5. عبدالشکور احسن، ڈاکٹر، اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ص:۱۲۴
6. اقبال، کلیات اقبال فارسی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص:۴۸۶
7. علامہ اقبال۔ کلیات اقبال اردو، ص:۴۲۳

8. ایضاً

9. فتح ملک، فتنہ انکار پاکستان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۵۸

10. کنیز فاطمہ، ڈاکٹر، اقبال اور عصری مسائل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵، ص:۳۷۵

11. اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص:۴۸۷

12. ایضاً

13. علامہ اقبال۔ کلیات اقبال اردو، ص:۴۲۴

14. ایضاً، ص:۲۳۴

15. فتح محمد ملک، اقبال کے سیاسی تصورات، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص:۳۱

16. علامہ اقبال۔ کلیات اقبال اردو، ص:۳۲۴

17. اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص:۴۸۷

18. ایضاً

19. شیراز علی زیدی، ڈاکٹر، سامراجیت پر اقبال کی تنقید، کراچی: سعید پبلی کیشنز، س۔ن، ص:۴۶

20. لطیف احمد شروانی، مرتبہ، حرف اقبال، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص:۳۸

References:

1. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*. Islamabad: National Book Foundation, 2016, p. 214.
2. Ibid, p. 243.
3. Malik, Fateh. *Iqbal... Fikr o Amal*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2009, p. 26.
4. Ghani, Abdul. *Allama Iqbal ki Farsi Nazm Goi*. Lahore: Bazm-e-Iqbal, 2 Club Road, January 2000, p. 153.
5. Ehsan, Abdul Shakoor. *Iqbal ki Farsi Shayari ka Tanqeedi Jaiza*. 2nd ed. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2000, p. 124.
6. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Farsi)*. Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, n.d., p. 486.
7. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, p. 423.
8. Ibid.
9. Malik, Fateh. *Fitna Inkar-e-Pakistan*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008, p. 58.
10. Fatima, Kaneez. *Iqbal aur Asri Masail*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2005, p. 375.
11. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Farsi)*, p. 487.

12. Ibid.
13. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, p. 424.
14. Ibid, p. 234.
15. Malik, Fateh Muhammad. *Iqbal ke Siyasi Tasawwur*. Islamabad: Dost Publications, 2013, p. 31.
16. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, p. 324.
17. Iqbal, Allama. *Kulliyat-e-Iqbal (Farsi)*, p. 487.
18. Ibid.
19. Zaidi, Shiraz Ali. *Samrajiyat par Iqbal ki Tanqeed*. Karachi: Saeed Publications, n.d., p. 46.
20. Sharwani, Lateef Ahmad, ed. *Harf-e-Iqbal*. Islamabad: Allama Iqbal Open University, 1987, p. 38.

Bibliography:

Ehsan, Abdul Shakoor. Iqbal ki Farsi Shayari ka Tanqeedi Jaiza. 2nd ed. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2000.

Fatima, Kaneez. Iqbal aur Asri Masail. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2005.

Ghani, Abdul. Allama Iqbal ki Farsi Nazm Goi. Lahore: Bazm-e-Iqbal, 2 Club Road, January 2000.

Iqbal, Allama. Kulliyat-e-Iqbal (Farsi). Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, n.d.

Iqbal, Allama. Kulliyat-e-Iqbal (Urdu). Islamabad: National Book Foundation, 2016.

Malik, Fateh. Fitna Inkar-e-Pakistan. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008.

Malik, Fateh. Iqbal... Fikr o Amal. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2009.

Malik, Fateh Muhammad. Iqbal ke Siyasi Tasawwur. Islamabad: Dost Publications, 2013.

Sharwani, Lateef Ahmad, ed. Harf-e-Iqbal. Islamabad: Allama Iqbal Open University, 1987.

Zaidi, Shiraz Ali. Samrajiyat par Iqbal ki Tanqeed. Karachi: Saeed Publications, n.d.